محمد الیاس خان

روس میں جمہوری اور اقتصادی اصلاحات کا مستقبل؟

۲۳ فروری ۱۹۹۶ء کو روس کے صدر بورس یلسن نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے حکومت کو خبردار کیا کہ اگر وہ اقتصادی اصلاحات کے معاشی اور معاشرتی بوجھ سے عام آدمی کو بچانے میں ناکام رہی، تو اسے برطرف کر دیا جائے گا۔

انھوں نے کہا "یا تو حکومت روسی شہریوں کے معاشرتی حقوق کا تحفّظ کرے یا یہ کام (اس کی جگہ) دوسری حکومت کے حوالے کر دیا جائے گا"[1]۔

اس سے قبل انھوں نے اقتصادی اصلاحات کے طریقہ کار میں تبدیلی کی ضرورت پر زور دیا تاکہ اصلاحات کو معاشرتی طور پر زیادہ سے زیادہ قابل قبول بنایا جاسکے۔ بورس یلسن نے کہا: "حکومت ان لوگوں کو بھول گئی ہے جو محض تنخواہوں اور پنشنوں پر گزارہ کر رہے ہیں اور ان کا تحفّظ کرنے میں ناکام ہو گئی ہے"[2]۔

انھوں نے مزید کہا۔

> "بہت عرصے تک ہم لوگوں کو پیٹ پر پتھر باندھنے کے لیے کہتے رہے اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔ بہرحال اب ان کا صبر جواب دے چکا ہے۔ اور ہم اب اس خطرناک حد کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ جس کے بعد بے اطمینانی اور مایوسی، صبر اور امید کو بے معنی بنا دیتی ہے"[3]۔

صدر یلسن نے اپنے خطاب میں فوجی اصلاحات کی غلط انجام دہی اور فوجی ملازمین کے مفادات کو نظر انداز کرنے کے لیے فوجی رہنماؤں کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ "میں بعض اعلیٰ ترین فوجی قیادت کی اس رائے میں شریک نہیں ہوں کہ اصلاحات اچھی جا رہی ہیں"۔ پارلیمنٹ میں اپنے سالانہ خطاب میں صدر یلسن نے وزیر دفاع پاول گراچیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "فوج میں اصلاحات کی کامیابی کا دعویٰ کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ ریاستی انتظامیہ کم ہی مسلح افواج کی پرواہ کرتی ہے اور (حال یہ ہے کہ) ان کی کم سے کم ضروریات کو بھی پورا نہیں کیا جاتا"[4]۔

دراصل فوجی اصلاحات پر زور دینے سے ۶۵ سالہ صدر یلسن جون کے صدارتی انتخابات میں فوجیوں

اور ان کے لاکھوں خاندانوں کی حمایت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ فوج کو سوویت عہد میں ترجیحی سلوک کا روادار سمجھا جاتا تھا۔ مگر سوویت سپر طاقت کے زوال کے بعد روسی افواج کو کئی مشکلات کا سامنا ہے۔ فوج کے اعلیٰ عہدے دار شاکی ہیں کہ فنڈز کی کمی نئے ہتھیاروں کی خرید اور فوجیوں کی مناسب تربیت میں آڑے آرہی ہے۔ جب کہ کئی حربی صنعتیں ٹھپ ہونے کے قریب ہیں۔ حربی قیادت روسی مسلح افواج کو چیچنیا کے بحران میں الجھانے کے لیے بھی روسی سیاستدانوں کو ذمہ دار گردانتی ہے۔ جہاں فوج کی روایتی ساکھ کو زبردست دھچکا لگا۔ ۱۹۱۷ء کے بالشویک انقلاب کی کامیابی میں فوج کا بڑا عمل دخل تھا۔ اس وقت بھی فوج نے اعلیٰ حکام کی بے اعتنائی اور جنگِ عظیم سے تنگ آکر کمیونسٹوں کا ساتھ دیا تھا۔ فوج کے اسی کردار کو دیکھتے ہوئے گزشتہ برس یلسن نے اپنے سالانہ خطاب میں ۱۹۹۵ء کو فوجی اصلاحات کا سال قرار دیا تھا۔

لیکن فوج کی صورت حال میں تبدیلی کے لیے حقیقتاً کم ہی کچھ کیا گیا۔ صدر یلسن فوج کی اس ابتر صورت حال کا ذمہ دار وزیر دفاع پاول گراچیف کو قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ صدر یلسن ماضی میں ذاتی وفاداری کے لیے گراچیف کا طویل عرصہ تک دفاع کرتے رہے ہیں۔ مگر جیسے جیسے جون کے صدارتی انتخابات قریب آرہے ہیں، صدر یلسن فوجی اصلاحات میں ناکامی کا سارا ملبہ گراچیف کے کندھوں پر ڈالتے جارہے ہیں۔

انتخابی مہم کے آغاز میں صدر یلسن نے خود کو "بابائے قوم" کے روپ میں پیش کیا۔ مگر ان کے ناقدین کہتے ہیں کہ ان کا رویّہ ایک مطلق العنان "زار" کے رویّے سے مشابہت رکھتا ہے۔ ۱۶ فروری کو چلیابنسک میں اپنی انتخابی مہم کا آغاز کرتے وقت صدر یلسن تندرست و توانا نظر آرہے تھے۔ یہاں انھوں نے چیچنیا میں جنگ کے جلد خاتمے کا مژدہ سنایا۔ یلسن نے دعویٰ کیا کہ "وہ واحد آدمی ہیں، جو اصلاحات کا تحفظ کرنے، خانہ جنگی کا سدّباب کرنے اور کمیونزم کے ازسرِنو احیاء کو روکنے کی اہلیت رکھتے ہیں"۔

چلیابنسک میں صدر یلسن کی انتخابی مہم کے سلسلے کی پہلی تقریر پر تعریف و تنقید کے ملے جلے ردِعمل کا اظہار ہوا۔ بعض مبصرین نے چلیابنسک میں ان کی توانائی اور عزم کو سراہا۔ مگر کئی دوسرے ان کے انداز کو سوویت عہد کے کمیونسٹ رہنماؤں سے مشابہ قرار دے رہے ہیں [۵]۔

روزنامہ کامرسانٹ نے صدر یلسن کے بارے میں لکھا:

> "صدر یلسن کی کارکردگی نے یہ امید پھر پیدا کر دی ہے کہ جون کے صدارتی انتخابات میں وہ اپنے حریف، کمیونسٹ پارٹی کے رہنما جنادی زیوگانوف، کو شکست دے سکتے ہیں" [۶]۔

لیکن کئی دوسرے افراد صدر یلسن کی کارکردگی کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھتے ہیں۔ سیاسی

تجزیہ نگار المیا شفت سوفا کہتی ہیں:

"یلسن کا رویّہ زار سے ملتا جلتا ہے۔ لوگ بھی انہیں یہ یقین دھانی کی کوشش کرتے دکھائی دے رہے ہیں کہ وہ ایک ایسے "زار" ہیں جنہیں ملک کو مشکلات سے نکالنے کا مقدّس مشن سونپا گیا ہے"۔

صدر یلسن کو تنقید کا نشانہ بنانے والے کہتے ہیں کہ اُن کی طرف سے تنخواہوں اور پنشنوں کے بروقت ملنے کے وعدوں سے ریاستی بجٹ پر مزید بوجھ پڑے گا اور اقتصادی اصلاحات کے مستقبل پر ایک اور سوالیہ نشان پڑجائے گا۔ انہوں نے صدر یلسن کی طرف سے روسی ٹیلی ویژن کے دوسرے چینل اور RTR ریڈیو کے سربراہ اولیگ پوپ سوف کی برطرفی کو (ذرائع) ابلاغ پر سنسر شپ سے تعبیر کیا اور ان کی برطرفی کے ڈانڈے حالیہ ہفتوں کے دوران متعدّد اصلاحات پسندوں کی برطرفیوں کے سلسلے سے جوڑے۔

کریملن کے اہل کاروں نے یلسن کی طرف منسوب کیے جانے والے مبیّنہ آمرانہ انداز و اطوار پر کوئی فوری تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ اُن جمہوری اصولوں سے صدر یلسن کے انحراف کا وہ مسلسل انکار کرتے رہے ہیں، جن کے گورباچوف عہد میں وہ علمبردار رہے ہیں۔ دوسری طرف شفت سوفا کہتی ہیں کہ یلسن کی کمزور صحت کی وجہ سے لگتا ہے کہ "وہ چند جنگجوؤں کے مشوروں پر انحصار کرنے لگے ہیں۔ جنھوں نے انھیں "حقیقت" سے کمیونسٹ پارٹی کے رہنماؤں کی طرح دور کر دیا ہے"۔

سٹالن کے ظالمانہ ہتھکنڈوں سے صدر یلسن کا رشتہ جوڑے بغیر وہ کہتی ہیں:

"ان (یلسن) میں سٹالن، خروشیف اور برزنف کی طبعی خصوصیات موجود ہیں۔ برزنف اور یوری اندرو پوف کے صاحب فراش ہونے کی صورت میں ریاستی مشینری کام کر سکتی تھی۔ مگر آج معاملہ مختلف ہے۔ یلسن حقیقت سے کلیتہً دور ہو چکے ہیں۔ ریاستی مشینری ساکت و جامد ہو گئی ہے اور ریاستی ڈھانچہ شل ہو گیا ہے"۔

صدر یلسن کی طرف سے اپنے نئے جنگجو ساتھیوں پر اعتماد نے، ان کے سابق معاونین کو پریشان کر دیا ہے۔ ویاچسلاف کوسٹی کوف ان کے سابق ترجمان ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

"یلسن کی اقتدار کے لیے ہوس نے اکثر لبرل معاونین کے مشوروں سے انہیں بے نیاز کر دیا ہے۔ خصوصاً چیچنیا کے سلسلہ میں تو یہ حقیقت اور بھی خطرناک ہے کیونکہ یلسن چیچنیا میں علیحدگی پسندوں کے ساتھ جنگ کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ چیچنیا کے مسئلے پر صدر یلسن جمہوریت نواز حلقوں اور اپنے نئے جنگجو ساتھیوں کے درمیان کشمکش کی وجہ سے بے عملی کا شکار ہیں۔ صدر یلسن کے نئے جنگجو ساتھی قوّت کے بل بوتے پر علیحدگی پسندوں کو کچلنا چاہتے ہیں جب کہ جمہوریت نواز حلقے روسی افواج کا فوری انخلاء چاہتے

ہیں"۔

ہنوز لگتا ہے کہ یلسن کو مغرب کی کسی حد تک حمایت حاصل ہے تاہم روس کے اندر بعض لوگ کمیونسٹوں اور یلسن کے درمیان کم ہی فرق محسوس کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں روزنامہ کوموسولکیا پراودا نے لکھا:

"چہرے کے بعد چہرہ دمکتا ہے۔ اوہ خدایا! یلسن، زیوگانوف اور کٹر کمیونسٹ لیگاچیف کے چہرے کس قدر یکسانیت کے حامل ہیں"[۸]۔

۲۳ فروری کو دس اصلاحات پسند زعماء نے روس کے صدارتی انتخابات کے نتیجے میں ملک کو ایک بار پھر مطلق العنانیت کی طرف دھکیلنے کے عمل کی مزاحمت کرنے کا اعلان کیا۔ ان دس افراد میں دو صدارتی امیدوار گریگوری یاولنسکی (یبلوکو پارٹی کے سربراہ) اور یلسن کی حکومت میں آزاد منڈی کی معیشت کے معمار سابق وزیر اعظم ییگور گیدار شامل ہیں۔ ایک دوسرا ممتاز نام الیگزینڈر یاکولوف کا ہے[۹]۔

ان زعماء نے اپنے مشترکہ بیان میں پارلیمنٹ کے "نائبین" کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ "وہ جمہوری قوتوں کے عمل میں رابطہ کار کا فریضہ انجام دیں گے"۔ انہوں نے مزید کہا "تمام روسی جو آزادی سے محبت کرتے ہیں مشترکہ فتح کے حصول کے لیے تیار ہو جائیں"[۱۰]۔ اصلاحات پسندوں کے اس مشترکہ اعلان پر دستخط کرنے والوں میں کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ اور صدارتی امیدوار جناب زیوگانوف شامل نہیں تھے۔

کمیونسٹ پارٹی سے ہمدردی رکھنے والی روسی آبادی ان لوگوں پر مشتمل ہے جو صدر یلسن کی بے ہنگم اقتصادی اصلاحات کے نتیجے میں وسیع پیمانے پر عدم اطمینانی کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ زیوگانوف کی کمیونسٹ پارٹی نے سوویت یونین کی مطلق العنانیت اور استبداد پر مبنی رویوں سے اپنے آپ کو دور رکھا ہے۔ بیان میں اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی کہ آیا اصلاحات پسند ایک ہی رہنما کے پیچھے جمع ہوں گے۔ آئندہ صدارتی انتخاب کے سلسلے میں دو معروف جمہوری حریف اس وقت یلسن اور یاولنسکی ہیں۔

عام تاثر یہ ہے کہ صدر یلسن نے دسمبر ۹۵ کے پارلیمانی انتخابات میں کمیونسٹوں کی کامیابی کے بعد اصلاحات کے ان اصولوں سے اپنے آپ کو دور کرنا شروع کر دیا ہے جن کے وہ خود ماضی میں چمپئن بن کر ابھرے تھے۔ اس کے بجائے اُنھوں نے قوم پرستوں اور کمیونسٹوں کے ایجنڈے کو سینے سے لگا لیا ہے۔ حالیہ چند ہفتوں کے دوران انھوں نے اصلاحات پسندوں کو اپنی کابینہ سے ایک ایک کر کے علیحدہ کر دیا ہے۔ اور ان کی جگہ بے لچک اور سخت موقف رکھنے والے لوگوں کو اپنی کابینہ میں شامل کر لیا ہے۔ یلسن کابینہ کے ان نئے وزراء نے ہی چیچنیا میں یرغمالی بحران کو مذاکرات کی بجائے طاقت

کے ذریعے حل کرنے کو ترجیح دی تھی۔ یہ لوگ سابق سوویت جمہوریاؤں کے درمیان مضبوط دفاعی اتحاد کے ذریعے امریکی خطرے کا مقابلہ کرنے کے نظریہ کے علمبردار ہیں۔

صدر یلسن کی پالیسی واضح ہے۔ وہ اپنی ہی حکومت کی اصلاحات سے متعلق غیر مقبول پالیسیوں کو ہدفِ تنقید بنا کر اپنے مخالفین کو شکست دینا چاہتے ہیں۔ جو اس سے قبل پارلیمنٹ کے انتخابات میں واضح برتری حاصل کر چکے ہیں۔ یلسن کا طرزِ عمل اپنے پیش رو کمیونسٹوں سے ملتا جلتا ہے۔ صدر بتدریج وہی انداز و اطوار اپنا رہے ہیں جو کبھی سوویت دور میں کمیونسٹوں کا طرّہ امتیاز رہے ہیں۔

روسی صدارتی انتخابات کے نتیجے میں نہ صرف اس بات کا فیصلہ ہو گا کہ آئندہ چار سال کے لیے کریملن پر حکمرانی کون کرے گا۔ بلکہ ان انتخابات کی وجہ سے روسی مملکت کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر صدر یلسن ہی برسرِ اقتدار آتے ہیں تو کیا وہ کمیونسٹ قوتوں کو نظر انداز کر کے جمہوری اصلاحات جاری رکھ سکیں گے؟ کیا وہ منڈی کی معیشت کی طرف سفر جاری رکھ سکیں گے؟ چیچنیا میں جنگ چھڑ جانے سے قبل صدر یلسن کی ایک ہی سیاسی کامیابی تھی کہ انھوں نے مملکت کی حدود سے تجاوز کرتی ہوئی مطلق العنانیت اور استبداد کو شہری آزادیوں سے متوازن کیا۔ لیکن چیچنیا میں جنگ اس وقت چودھویں ماہ میں داخل ہو چکی ہے اور روسی قیادت تاہنوز مسئلے کو طاقت و تشدّد سے حل کرنے پر مائل نظر آ رہی ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ صدر یلسن اور اُن کی حکومت ایک بار پھر سوویت طرز کی آمریت اور استبداد کے رجحانات کی طرف میلان کا شکار ہو گئے ہیں۔ پر ومسکوئی میں روسی افواج کے وحشیانہ حملوں کو تو شاید اس بناء پر جواز کی سند دی جا سکے کہ بقول روسیوں کے یہ کارروائیاں "مسلح دہشت گردوں" کے قبضے سے غیر فوجی [شہری] یرغمالیوں کو رہا کرانے کے لیے کی گئیں"۔ لیکن ان کارروائیوں سے قطع نظر روسیوں نے چیچنیا کے درجنوں دیگر دیہاتوں میں وحشیانہ بمباری کر کے سینکڑوں شہریوں کو ہلاک کیا۔ چیچنیا میں تشدّد اور طاقت کے استعمال سے متعلق یلسن حکومت کے رجحانات کو بجا طور پر صدر یلسن کی طرف سے اصلاحات اور شہری آزادیوں کے لیے عدم احترام کے رویّوں کے لیے بطور ثبوت پیش کیا جا رہا ہے۔

شاید صدر یلسن کے پیش نظر اس وقت یہ ہے کہ انہیں روس کی "زبردست طاقت" کی علامت کے طور پر شناخت ملے۔ بقول Lee Hockstador:

> "Mr Yeltsin would like to be seen as the steward of a great power, but the military assault on the village of Pervomyskoye, like many other operations in the course of the war, was so flawed that Russia stands exposed as weckened, humiliatied and brutal."

"[شاید صدر] یلسن یہ چاہیں گے کہ اُنہیں ایک بڑی طاقت کے سربراہ کی حیثیت سے

دیکھا جائے لیکن پرومسکوئی اور جنگ کے دوران [چیچنیا میں] دیگر فوجی کاروائیاں اس حد تک ناقص [منصوبہ بندی کی حامل] تھیں کہ روس ایک بار پھر کمزور، فرومایہ مگر ظالم [مملکت] کی شکل میں ابھر کر سامنے آیا"۔

پرومسکوئی پر حملے کے لیے روسی صدر کے فیصلے کی بھرپور حمایت کرنے والا شخص ولادمیر زیرینوفسکی تھا، جو روسیوں کے احساسِ ہزیمت کے جذبات سے کھیلنے کے فن میں ماہر ہیں۔

صدر یلسن کی طرف سے "طاقتور" دکھائے دینے کی یہ کوششیں بار آور ثابت نہیں ہوسکی ہیں اور اُن کے یہ ظالمانہ [tactics] اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک زبردست مذمت اور تنقید کا نشانہ بنی ہیں۔ صدر یلسن کے ایک سابق مشیر اور اصلاحات پسند اخبار ازوستیا کے کالم نویس اوٹولاٹس نے چیچنیا میں روسی فوجی کاروائیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"ہم نے ریاست کی قوت دیکھنے کے بجائے ریاستی ظلم کا مشاہدہ کیا"۔

آگے چل کر قوت کی تعریف بیان کرتے ہوئے اوٹولاٹس لکھتے ہیں:

"کسی ریاست کی طاقت اور قوت کا معیار اپنے ہی شہریوں کو قتل کرنے اور اُنہیں دبانے کی قابلیت ہرگز نہیں، بلکہ اس قوت و طاقت کا معیار اپنے شہریوں کے تحفظ کی قابلیت ہے"[۱۲]۔

شاید صدر یلسن کو بھی اس حقیقت کا ادراک ہوگیا ہے کہ قوت و طاقت کے جو پیمانے اُن کے نئے مشیروں نے اُنہیں سجھائے ہیں وہ غلط ہیں۔ چنانچہ اب لگتا ہے کہ وہ چیچنیا میں سیاسی حل کی دریافت پر زور دینے لگے ہیں۔ صدر یلسن کو سابق سوویت یونین کے آخری صدر میخائیل گورباچوف کی غلطیوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ صدر یلسن کٹر قوم پرستوں اور انتہا پسند کمیونسٹوں سے قربت پیدا کرنے اور اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جو جتن آج کر رہے ہیں بالکل اسی انداز میں اس طرح کی کوششیں صدر گورباچوف نے اپنے آخری ایام میں اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے کی تھیں۔ لیکن گورباچوف کی ان کوششوں کا کیا نتیجہ برآمد ہوا تھا؟ صدر یلسن اس سے لاعلم نہیں ہوسکتے۔ صدر گورباچوف نے کمیونسٹوں اور قوم پرستوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی بجائے اُنہیں اپنی مخالفت بلکہ مخاصمت میں اور زیادہ دلیری اور جرأت عطا کر دی تھی۔ جس کا نتیجہ نہ صرف ان کے اقتدار کے خاتمہ کی صورت میں ظاہر ہوا بلکہ اُن کی اِن غلط پالیسیوں نے سوویت یونین کا شیرازہ بھی بکھیر دیا۔ گورباچوف کی تقلید کرنے کے نتائج نہ صرف صدر یلسن بلکہ مملکت روس کے مستقبل کے لیے آج کہیں زیادہ تباہ کن ہوں گے۔ ۱۹۹۱ء اور آج کے حالات میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ ۱۹۹۱ء میں یلسن گورباچوف کی جگہ لینے کے لیے موجود تھے۔ آج ایسا نہیں ہے۔ اب اگر یلسن لڑکھڑا گئے تو اُن کی جگہ لینے کے لیے اصلاحات پسندوں کی تازہ دم ٹیم موجود نہیں ہے۔ بلکہ کٹر قوم پرست اور سخت موقف رکھنے

والے کمیونسٹ ان کی جگہ لینے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ جو مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا چاہتے ہیں اور منڈی کی معیشت کا خاتمہ کرنے میں کسی قسم کی پس و پیش نہیں کریں گے"[۱۴]۔

روز نامہ سیوودنیا کے ایک کالم نویس الیگزنڈر بیکر نے اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

"اپنی خطرناک غلطیوں کے باعث، (صدر یلسن) حزبِ اختلاف کو اپنے خلاف محاذ قائم کرنے کے لیے ایسے بے شمار مواقع مہیا کریں گے جو حزب اختلاف از خود ایجاد کرنے کے قابل نہیں ہو گی۔ تاریخ نے صدر یلسن کو موقع دیا ہے کہ وہ عظمت کے ساتھ سر بسجود تسلیم خم کر دیں۔ [اور کسی زیادہ مقبول اصلاحات پسند شخصیت کو آگے آنے دیں] مگر یلسن حواس باختہ ہو چکے ہیں۔ وہ موقع سے فائدہ اٹھانے کے موڈ میں نہیں ہیں"[۱۵]۔

کمیونسٹوں اور کٹر قوم پرستوں کی خوشنودی کے حصول کے ساتھ ساتھ صدر یلسن اصلاحات پسندوں اور جمہوریت نواز حلقوں کی حمایت بھی کھونا نہیں چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ اصلاحات کے غلط طریقہ کار کو توہدف تنقید بنانے سے نہیں ہچکچاتے لیکن اصلاحات کی راہ پر مسلسل پیش قدمی پر زور دینے کے کسی موقع کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ پارلیمنٹ سے مذکورہ خطاب کے دوران میں انہوں نے کہا:

"اگر ہم لوگوں کے معاشرتی اور معاشی حقوق کے تحفّظ کی ضمانت فراہم نہیں کریں گے، اور نتیجتاً سیاسی عدم استحکام پیدا ہوتا ہے، تو سب کیے پر پانی پھر جائے گا اور ہم پیچھے کی طرف دھکیل دیے جائیں گے۔ شاید یہ ہمارے لیے آخری موقعہ ہے کہ ہم [سوویت عہد کے] مکروہ خول کو توڑ کر ملک کو جمہوریت کی ناقابل واپسی شاہراہ پر گامزن کر دیں"[۱۶]۔

سیاسی مبصرین صدر یلسن کی طرف سے جمہوری اور اقتصادی اصلاحات کو جاری رکھنے کے ان وعدوں کو ایک اور زاویہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ صدر یلسن کے ان دعووں میں اصلاحات سے مکمل وابستگی [commitment] کے بجائے دیگر عوامل کو زیادہ عمل دخل حاصل ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی ادارے کی طرف سے روس کو ۱۰۶۲ بلین ڈالر کی امداد کی فراہمی زیر غور ہے۔ توقع یہی ہے کہ ادارے کے اہلِ کار اس امداد کی فراہمی کو جمہوری اور اقتصادی اصلاحات کے استمرار سے مشروط کریں گے۔ صدر یلسن خاص طور پر موجودہ مرحلے میں بین الاقوامی مالیاتی ایجنسیوں کی طرف سے اقتصادی امداد کی فراہمی میں انقطاع کے متحمل نہیں ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ اور صدر یلسن کے مضبوط حریف جنادی زیوگانوف نے صدر یلسن کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"یلسن کی ۵۰ منٹ کے خطاب کے کچھ حصّے چٹخاروں سے بھرے تھے جب کہ بعض دیگر حصّے کمیونسٹوں سے چرائی گئی منطق پر مبنی تھے۔ کئی لوگ ایسے موقعوں پر پُر امید ہو جاتے ہیں۔ مگر ہماری امیدوں پر کب سے اوس پڑ چکی ہے۔ ہمارے بد ترین خدشات کی تصدیق ہو چکی ہے۔ جو ہو رہا ہے وہ دیانتداری اور ایمانداری سے نہیں ہو رہا ہے"[۱۷]۔

ادھر امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر نے خبردار کیا کہ اگر روس بین الاقوامی اصولوں کی پابندی اور اصلاحات جاری رکھنے میں ناکام رہا تو روس اور مغرب کے درمیان تعلقات خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔ چیچنیا میں علیحدگی پسند گوریلوں کے خلاف روسی افواج کی کارروائیوں اور صدر یلسن کی طرف سے اصلاحات پسند وزراء اور اہل کاروں کی پے در پے برطرفی پر پہلی دفعہ وارن کرسٹوفر نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "تازہ ترین واقعات روس میں اصلاحات کے مستقبل سے متعلق پریشان کن علامات کا پتہ دیتے ہیں"۔

امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر نے مزید کہا:

"کمیونزم کے زوال کے بعد کے چار سالوں کے دوران مجھے ہمیشہ یہ تشویش لاحق رہی ہے کہ روس میں کمیونزم سے جمہوریت اور آزاد معیشت کی طرف انتقال کے عمل کی کامیابی یقینی نہیں ہے۔ روس ابھی تک ستر سال کی کمیونسٹ حکمرانی کے تباہ کن ورثے سے جان نہیں چھڑا سکا ہے..."۔

وارن کرسٹوفر نے ہارورڈ یونیورسٹی کے جان - ایف کنیڈی سکول آف گورنمنٹ میں اپنے خطاب کے دوران میں مزید کہا:

"جب اگلے ماہ میں روس کے نئے وزیر خارجہ یوجنی پریماکوف سے ملاقات کروں گا تو اُنہیں بتاؤں گا کہ امریکہ روس کے ساتھ "مشترکہ خطرات" کا مقابلہ کرنے کے لیے تعاون جاری رکھے گا"[۱۸]۔

وارن کرسٹوفر نے جن "مشترکہ خطرات" کا ذکر کیا ہے ان میں اصلاحات کے عمل میں انقطاع کو شامل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ روس میں اصلاحات کے عمل میں انقطاع روس اور امریکہ کو درپیش "مشترکہ خطرہ" تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ سوچنے کا مقام یہ ہے کہ وہ کون سے مشترکہ خطرات ہیں جن کا مقابلہ کرنے کے لیے امریکہ بدستور روس کے ساتھ تعاون کی پیشکش کر رہا ہے۔ ہمارے خیال میں ان خطرات میں "دہشت گردی"، "اسلامی بنیاد پرستی" اور "امن دشمنی" شامل ہیں۔ بالفاظ دیگر امریکہ کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ صدر یلسن [یا کوئی اور] روس میں حکمرانی کے کون سے انداز اپناتا ہے۔ روس میں جمہوریت ہو یا ڈکٹیٹر شپ؟ امریکہ کو اس بات سے اس وقت تک کوئی غرض نہیں ہے جب تک روس امریکہ کے عالمی ایجنڈے کی تکمیل میں اس کا حصہ دار رہتا ہے۔ امریکہ اور مغرب کی طرف سے روس کے لیے اقتصادی امداد کو حقوق انسانی کی صورت حال بہتر کرنے سے مشروط کرنا دنیا کی

آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ امریکہ اور مغرب کو کمیونزم کے "بحیثیت عالمی حریف" زوال کے بعد اس بات سے انتہائی کم دلچسپی ہے کہ روس میں جمہوریت کی حکمرانی رہتی ہے یا ایک دفعہ پھر وہاں ایسے توسیع پسند اور متشدد قوم پرست اور [neo-communists] مسند اقتدار پر براجمان ہوتے ہیں جن کے ایجنڈے میں سابق سوویت یونین کی "رضاکارانہ" تعمیرِ نو کو اولین ترجیح حاصل ہے۔ ہاں البتہ شرط یہ ہے کہ ماسکو کے حکمرانوں کو مغرب اور امریکہ کے "مفادات" کا تحفظ لازماً کرنا ہو گا۔

اس تناظر میں اس بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ جاتی کہ روس میں اقتصادی اور جمہوری اصلاحات جاری رہتی ہیں یا نہیں؟ یوں لگتا ہے جیسے مغرب اور امریکہ کے نقطۂ نظر سے صدر یلسن اُن کے لیے زیادہ [cooperative] اور مفید ہیں۔ چنانچہ اصلاحات کی گاڑی پٹڑی سے اتارنے کے باوجود صدر یلسن ابھی تک مغرب اور امریکہ کی آنکھوں کا تارہ بنے ہوئے ہیں۔ اگر امریکی اور مغربی ترجیحات میں جمہوریت اور آزاد منڈی کی معیشت کی ترویج کو اولیت حاصل ہوتی تو روسی سیاستدانوں میں سے جمہوریت، شہری آزادیوں اور انسانی حقوق کی پاسداری پر مکمل ایمان رکھنے والے بعض دیگر زعماء [گریگوری یاولنسکی اور ییگور گیدر وغیرہ] کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔ چونکہ ایسا نہیں ہے اس لیے ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ مغرب اور صدر یلسن کے مابین تعاون ایک ایسے خفیہ ایجنڈے کی تکمیل کے لیے ہے جس میں اصلاحات کو کم از کم نمایاں مقام حاصل نہیں ہے۔

حواشی

1. AFP report,"Yeltsin Threatens to Sack Govt on Reform Policy," published by daily *The NAtion*' Feb 24, 1996.
2. Ibid
3. Ibid
4. Oleg Sheddrov and Timmothy Heretage, "Yeltsin Takes Swipe at Military Leaders for Mishandling Reforms", *Dawn*, Feb 24, 1996.
5. Ibid
6. Ibid
7. Ibid
8. Ibid
9. AFP report,"Russian Reformers Resist New Totalitarian-

ism," *The Nation* Feb 25, 1996.
10. Ibid
11. Lee Hockstader, "Yeltisn Flirts with Soviet Past," *Dwan* Feb 25, 1996.
12. Ibid
31. Brian Killen, "Yeltsin Says Economic Failure Will Sink Govt," *Dawn*, Feb 25, 1996.
14. Lee Hockstader, op cit.
15. Ibid.
16. Brian Killen, op cit.
17. Ibid
18. Reuter report, "Russia Must Continue Reforms," *Dawn*, Jan 20, 1996.

روسی خارجہ پالیسی میں تبدیلی کے آثار

روس کے صدر بورِیس یلسن نے ۹ جنوری کو روس کی بیرونی سراغرسانی کے ادارے کے معروف سربراہ یوجینی پریماکوف کووزیرِ خارجہ مقرر کیا۔ اُنہیں سابق وزیرِ خارجہ اندرے کوزیروف کی جگہ تعینات کیا گیا ہے۔ اندرے کوزیروف نے ۵ جنوری کو اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

٦٦ سالہ پریماکوف کی وزیرِ خارجہ کی حیثیت سے تقرری نے مغرب میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دیے ہیں۔ کیونکہ وہ مغرب مخالف رجحانات کے لیے شہرت رکھتے ہیں۔ پریماکوف نے ۱۹۵۳ء میں oriental affairs میں graduation کی۔ وہ ۱۹۵۹ء سے سابق سوویت یونین کے زوال تک کمیونسٹ پارٹی کے ممبر رہے۔ ایک صحافی کی حیثیت سے پارٹی کے اخبار "پراودا" کے ساتھ بھی منسلک رہے۔ ٦۰ء کی دہائی میں مشرقِ وسطیٰ میں وہ اسی اخبار کے رپورٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۷۰ء کی دہائی میں وہ ماسکو کے انسٹی ٹیوٹ آف ورلڈ اکنامکس اینڈ انٹرنیشنل ریلیشنز کے نائب سربراہ اور سربراہ رہے۔ پریماکوف ماسکو انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل سٹڈیز کے سربراہ بھی رہے۔ ۱۹۹۱ء سے پریماکوف روس کی بیرونی 'سراغ رسانی' کے ادارے کے سربراہ چلے آ رہے تھے۔ وہ مشرقِ وسطیٰ کے امور کے ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں۔